gs\Administrator\Desktop
Print\nOTE\NOTE2.tif
not found.

5

راجندر سنگھ بیدی

مصنف کا تعارف

راجندر سنگھ بیدی کا شمار اردو کے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی سیال کوٹ میں 1915ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور آ گئے اور میٹرک کا امتحان پاس کر کے ڈی، اے وی کالج سے انٹر میڈیٹ کیا۔ طالب علمی کے زمانے سے انگریزی، اردو اور پنجابی میں کہانیاں لکھنے لگے تھے۔ ملک کی آزادی کے بعد 1948ء میں جموں ریڈیو اسٹیشن کے ڈائریکٹر بنائے گئے مگر استعفیٰ دے کر بمبئی چلے گئے اور فلموں کے لیے لکھنے لگے۔ ان کے افسانوں کے چھ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ دانہ و دام، گرہن، کوکھ جلی، اپنے دکھ مجھے دے دو، ہاتھ ہمارے قلم ہوئے اور مکتی بودھ۔ ڈراموں کے دو مجموعے ’بے جان چیزیں‘ اور ’سات کھیل‘ بھی شائع ہوئے ہیں۔ ان کی تصنیف ’ایک چادر میلی سی‘ سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔ انہیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ حکومتِ ہند نے پدم شری کا خطاب بھی عطا کیا اور مودی غالب ایوارڈ بھی ملا۔ راجندر سنگھ بیدی کو کردار نگاری اور انسانی نفسیات کی مرقع کشی میں کمال حاصل تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک حقیقت نگار تھے۔ ان کے کردار انسانی زندگی کی پیچیدگیوں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کرتے ہیں۔

بیدی کا فن، زندگی کی بصیرت کا فن ہے۔ ان کے افسانوں میں جذباتیت کے بجائے خیالات اور واقعات کے پیچھے زندگی کی گہری معنویت ہے۔

مقاصد

افسانے کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد آپ:

- مشکل الفاظ کے معنی اور مطلب بیان کر سکیں گے؛
- افسانے کے اہم واقعات کو اپنے الفاظ میں بیان کر سکیں گے؛

- افسانے کے اجزائے ترکیبی کو بیان کر سکیں گے؛
- افسانے کے مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں بیان کر سکیں گے؛
- راجندر سنگھ بیدی کے اسلوبِ بیان پر روشنی ڈال سکیں گے؛
- مختلف توہمات سے باخبر ہو کر ان سے بچنے کی کوشش کریں گے۔

5.1 اصل سبق

آیئے اب ایک بار پورا سبق پڑھ لیں۔

بھولا

(1)

میں نے مایا کو پتھر کے ایک کوزے میں مکھن رکھتے دیکھا۔ چھاچھ کی کھٹاس کو دور کرنے کے لیے مایا نے کوزے میں پڑے ہوئے مکھن کو کنوئیں کے صاف پانی سے کئی بار دھویا۔ اس طرح مکھن کے جمع کرنے کی کوئی خاص وجہ تھی۔ ایسی بات عموماً مایا کے کسی عزیز کی آمد کا پتا دیتی تھی۔ ہاں! اب مجھے یاد آیا۔ دو دن کے بعد مایا کا بھائی اپنی بیوہ بہن سے راکھی بندھوانے کے لیے آنے والا تھا۔ یوں تو اکثر بہنیں اپنے بھائیوں کے ہاں جا کر انہیں راکھی باندھتی ہیں۔ مگر مایا کا بھائی اپنی بہن اور بھانجے سے ملنے کے لیے خود ہی آ جایا کرتا تھا اور راکھی بندھوالیا کرتا تھا۔ راکھی بندھوا کر وہ اپنی بیوہ بہن کو یہی یقین دلاتا تھا کہ اگرچہ اس کا سہاگ لٹ گیا ہے مگر جب تک اس کا بھائی زندہ ہے، اس کی رکھشا، اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لیتا ہے۔ ننھے بھولے نے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی۔ گنا چوستے ہوئے اس نے کہا:

''بابا! پرسوں ماموں جی آئیں گے نا؟''

کوزہ: پیالہ، آب خورہ

میں نے اپنے پوتے کو پیار سے گود میں اٹھا لیا۔ بھولے کا جسم بہت نرم و نازک تھا اور اس کی آواز بہت سُریلی تھی، جیسے کنول کی پتیوں کی نزاکت اور سپیدی، گلاب کی سرخی اور بلبل کی خوش الحانی کو اکٹھا کر دیا گیا ہو۔ اگرچہ بھولا میری لمبی اور گھنی داڑھی سے گھبرا کر اپنا منہ چومنے کی اجازت نہ دیتا تھا تاہم میں نے زبردستی اس کے سرخ گالوں پر پیار کی مہر ثبت کر دی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا:

''بھولے — تیرے ماموں جی...... تیرے ماتا جی کے کیا ہوتے ہیں؟

بھولے نے کچھ تامل کے بعد جواب دیا۔ ''ماموں جی!''

مایا نے استوتر پڑھنا چھوڑ دیا اور کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ میں اپنی بہو کے اس طرح کھل کر ہنسنے پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ مایا

خوش الحانی: سریلی آواز (تشبیہ)

تامل: سوچ بچار

استوتر: اشلوک جس میں ایشور کی تعریف کی گئی ہو۔

بیوہ تھی اور سماج اسے اچھے کپڑے پہننے اور خوشی کی بات میں حصہ لینے سے بھی روکتا تھا۔ میں نے بارہا مایا کو اچھے کپڑے پہننے، ہنسنے، کھیلنے کی تلقین کرتے ہوئے سماج کی پروانہ کرنے کے لیے کہا تھا۔ مگر مایا نے ازخود اپنے آپ کو سماج کے روح فرسا احکام کے تابع کرلیا تھا۔ اس نے اپنے تمام اچھے کپڑے اور زیورات کی پٹاری ایک صندوق میں مقفل کر کے چابی ایک جوہڑ میں پھینک دی۔

تلقین: تاکید

روح فرسا: جان کو تباہ کردینے والا ڈراؤنا

جوہڑ: کچّا تالاب

مایا نے ہنستے ہوئے اپنا پاٹھ جاری رکھا۔

ہری ہر، ہری ہر، ہری ہر، ہری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

پھر اس نے اپنے لعل کو پیار سے بلاتے ہوئے کہا:

''بھولے — تم ننھی کے کیا ہوتے ہو؟''

''بھائی!'' بھولے نے جواب دیا۔

''اسی طرح تیرے ماموں جی میرے بھائی ہیں''

بھولا یہ بات نہ سمجھ سکا۔ ایک ہی شخص کس طرح ایک ہی وقت میں کسی کا بھائی اور کسی کا ماموں ہو سکتا ہے۔ وہ تو اب تک یہی سمجھتا آیا تھا کہ اس کے ماموں جان اس کے باباجی کے بھی ماموں جی ہیں۔ بھولے نے اس مخمصے میں پڑنے کی کوشش نہ کی اور اُچک کر ماں کی گود میں جا بیٹھا اور اپنی ماں سے گیتا سننے کے لیے اصرار کرنے لگا۔ وہ گیتا محض اس وجہ سے سنتا تھا کہ وہ کہانیوں کا شوقین تھا۔ وہ گیتا کے ادھیائے کے آخر میں مہاتم سن کر وہ بہت خوش ہوتا۔ اور پھر جوہڑ کے کنارے اُگی ہوئی دوب کی مخملی تلواروں میں بیٹھ کر گھنٹوں ان مہاتموں پر غور کرتا۔

مخمصہ: پریشانی، اُلجھن

ادھیائے: باب، حصہ

دوب: ایک قسم کی گھاس

مجھے دوپہر کو اپنے گھر سے چھ میل دور اپنے مزارعوں کو ہل پہنچانے تھے۔ بوڑھا جسم، اس پر مصیبتوں کا مارا ہوا، جوانی کے عالم میں تین تین من بوجھ اٹھا کر دوڑا کیا۔ مگر اب بیس سیر بوجھ کے نیچے گردن چٹخنے لگتی ہے۔ بیٹے کی موت نے امید کو یاس میں تبدیل کر کے کمر توڑ دی تھی۔ اب میں بھولا کے سہارے ہی جیتا تھا ورنہ دراصل تو مر چکا تھا۔

مزارعوں: (مزارع کی جمع) کاشت کاروں

رات کو میں تکان کی وجہ سے بستر پر لیٹتے ہی اونگھنے لگا۔ ذرا توقف کے بعد مایا نے مجھے دودھ پینے کے لیے آواز دی۔ اپنی بہو کی سعادت مندی پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا اور اسے سیکڑوں دعائیں دیتے ہوئے میں نے کہا:

توقف کے بعد: دیر کے بعد

''مجھ بوڑھے کی اتنی پروانہ کیا کرو بیٹا۔''

— بھولا ابھی تک نہ سویا تھا۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی اور میرے پیٹ پر چڑھ گیا۔ بولا:

''باباجی! آپ آج کہانی نہیں سنائیں گے کیا؟''

''نہیں بیٹا—'' میں نے آسمان پر نکلے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہوئے کہا، ''میں آج بہت تھک گیا ہوں — کل دوپہر کو تمہیں سناؤں گا۔''

بھولے نے روٹھتے ہوئے جواب دیا ”میں تمہارا بھولا نہیں بابا۔ میں ماتا جی کا بھولا ہوں۔“

بھولا بھی جانتا تھا کہ میں نے اس کی ایسی بات کبھی برداشت نہیں کی۔ میں ہمیشہ اس سے یہی سننے کا عادی تھا کہ ”بھولا بابا جی کا ہے اور ماتا جی کا نہیں۔“ مگر اس دن ہلوں کو کندھوں پر اٹھا کر چھ میل تک لے جانے اور پیدل ہی واپس آنے کی وجہ سے میں بہت تھک گیا تھا۔ شاید میں اتنا نہ تھکتا، اگر میرا نیا جوتا ایڑی کو نہ دباتا اور اس وجہ سے میرے پانو میں ٹیس نہ اٹھتیں۔ اس غیر معمولی تھکن کے باعث میں نے بھولے کی وہ بات بھی برداشت کی۔ میں آسمان پر ستاروں کو دیکھنے لگا۔ آسمان کے جنوبی گوشے میں ایک ستارہ مشعل کی طرح روشن تھا۔ غور سے دیکھنے پر وہ مدھم سا ہونے لگا— میں اونگھتے اونگھتے سو گیا۔

صبح ہوتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ بھولا سوچتا ہوگا کہ کل رات بابا نے میری بات کس طرح برداشت کی؟ میں اس خیال سے لرز گیا کہ بھولے کے دل میں کہیں یہ خیال نہ آیا ہو کہ اب بابا میری پروا نہیں کرتا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ صبح کے وقت اس نے میری گود میں آنے سے انکار کر دیا اور بولا۔

”میں نہیں آؤں گا— تیرے پاس بابا!“

”کیوں بھولے؟“

”بھولا بابا جی کا نہیں— بھولا ماتا جی کا ہے۔“

میں نے بھولے کو مٹھائی کے لالچ سے منا لیا، اور چند ہی لمحات میں بھولا بابا جی کا بن گیا اور میری گود میں آ گیا۔ اور اپنی ننھی ٹانگوں کے گرد میرے جسم سے لپٹے ہوئے کمبل کو لپیٹنے لگا۔ مایا ہری ہر استوتر پڑھ رہی تھی۔ پھر اس نے پاؤ بھر مکھن نکالا اور اسے کوزے میں ڈال کر کنوئیں کے صاف پانی سے چھاچھ کی کھٹاس کو دھو ڈالا۔ اب مایا نے اپنے بھائی کے لیے سیر کے قریب مکھن تیار کر لیا تھا۔ میں بہن بھائی کے پیار کے اس جذبے پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا، اتنا خوش کہ میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ میں نے دل میں کہا: عورت کا دل محبت کا ایک سمندر ہوتا ہے۔ ماں باپ، بھائی بہن، خاوند بچے، سب سے وہ بہت ہی پیار کرتی ہے۔ اور اتنا کرنے پر بھی وہ ختم نہیں ہوتا۔ ایک دل کے ہوتے ہوئے بھی وہ سب کو اپنا دل دے دیتی ہے۔ بھولے نے دونوں ہاتھ میرے گالوں کی جھریوں پر رکھے، مایا کی طرف سے چہرے کو ہٹا کر اپنی طرف کر لیا اور بولا:

”بابا تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا— ؟“

”کس بات کا بٹیا— ؟“

”تمہیں آج دوپہر مجھے کہانی سنانی ہے۔“

”ہاں بٹیا— !“ میں نے اس کا منہ چومتے ہوئے کہا۔

یہ تو بھولا ہی جانتا ہوگا کہ اس نے دوپہر کے آنے کا کتنا انتظار کیا۔ بھولے کو اس بات کا علم تھا کہ بابا جی کے کہانی سنانے کا

gs\Administrator\Desktop
Print\nOTE\NOTE2.tif
not found.

وقت وہی ہوتا ہے جب وہ کھانا کھا کر اس پلنگ پر جا لیٹتے ہیں، جس پر وہ بابا جی یا ماتا جی کی مدد کے بغیر نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ وقت سے آدھ گھنٹہ پیشتر ہی اس نے کھانا نکلوانے پر اصرار شروع کر دیا، میرے کھانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے کہانی سننے کے چاو سے۔

میں نے معمول سے آدھ گھنٹہ پہلے کھانا کھایا۔ ابھی آخری نوالہ میں نے لیا ہی تھا کہ پٹواری نے دروازے پر دستک دی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ہلکی سی جریب تھی۔ اس نے کہا کہ خانقاہ والے کنوئیں پر آپ کی زمین کو ناپنے کے لیے مجھے آج ہی فرصت مل سکتی ہے، پھر نہیں۔

جریب: زمین کو ناپنے کا پیمانہ
خانقاہ: درویشوں کی رہنے کی جگہ

دالان کی طرف نظر دوڑائی تو میں نے دیکھا کہ بھولا چارپائی کے چاروں طرف گھوم کر بستر بچھا رہا تھا۔ بستر بچھانے کے بعد اس نے ایک بڑا سا تکیہ بھی ایک طرف رکھ دیا اور خود پائینتی میں پانو اڑا کر چارپائی پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اگرچہ بھولے کا مجھے اصرار سے جلد روٹی کھلانا اور بستر بچھا کر میری تواضع کرنا اپنی خود غرضی پر مبنی تھا، تاہم مجھے خیال آیا۔

مبنی: جس پر کسی چیز کی بنیاد ہو، منحصر

‘‘آخر مایا کا بیٹا ہی ہے نا— ایشور عمر دراز کرے۔’’

میں نے پٹواری سے کہا کہ خانقاہ والے کنوئیں کو چلو اور میں تمہارے پیچھے پیچھے آجاؤں گا۔ جب بھولے نے دیکھا کہ میں باہر جانے کو تیار ہوں تو اس کا چہرہ اس طرح مدھم پڑ گیا جس طرح گذشتہ شب کو آسمان کے ایک کونے میں مشعل کی مانند روشن ستارہ مسلسل دیکھتے رہنے کی وجہ سے ماند پڑ گیا تھا۔ مایا نے کہا:

‘‘بابا جی اتنی بھی کیا جلدی ہے—؟ خانقاہ والا کنواں کہیں بھاگا تو نہیں جاتا— آپ کم سے کم آرام تو کر لیں۔’’

‘‘اؤں اؤں۔’’ میں نے زیرِ لب کہا ‘‘پٹواری چلا گیا تو پھر یہ کام ایک ماہ سے ادھر نہ ہو سکے گا۔’’

مایا خاموش ہو گئی۔ بھولا منہ بسورنے لگا۔ اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ اس نے کہا، ‘‘بابا میری کہانی— میری کہانی—’’

‘‘بھولے— میرے بچے۔’’ میں نے بھولے کو ٹالتے ہوئے کہا، ‘‘دن کو کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔’’

‘‘راستہ بھول جاتے ہیں؟’’ بھولے نے سوچتے ہوئے کہا ‘‘بابا تم جھوٹ بولتے ہو— میں بابا جی کا بھولا نہیں بنتا۔’’

اب جب کہ میں تھکا ہوا بھی نہیں تھا اور پندرہ بیس منٹ استراحت کے لیے نکال سکتا تھا۔ بھلا بھولے کی اس بات کو کس طرح برداشت کر لیتا۔ میں نے اپنے شانے سے چادر اُتار کر چارپائی کی پائینتی پر رکھی اور اپنی دبتی ہوئی ایڑی کو جوتی کی قید بامشقت سے نجات دلاتے ہوئے پلنگ پر لیٹ گیا۔ بھولا پھر اپنے بابا کا بن گیا۔ لیٹتے ہوئے میں نے بھولے سے کہا:

استراحت: آرام

‘‘اب کوئی مسافر راستہ کھو بیٹھے— تو اس کے تم ذمہ دار ہو۔’’

— اور میں نے بھولے کو دوپہر کے وقت سات شہزادوں اور سات شہزادیوں کی ایک لمبی کہانی سنائی۔ کہانی میں ان کی باہمی شادی کو میں نے معمول سے زیادہ دل کش انداز میں بیان کیا۔ بھولا ہمیشہ اس کہانی کو پسند کرتا تھا جس کے آخر میں شہزادہ اور شہزادی کی شادی ہو جائے۔ مگر میں نے اس روز بھولے کے منہ پر خوشی کی کوئی علامت نہ دیکھی، بلکہ وہ ایک افسردہ سامنہ

خفیف: ہلکا، کم، شرمندہ

بنائے خفیف طور پر کانپتا رہا۔

اس خیال سے کہ پٹواری خانقاہ والے کنوئیں پر انتظار کرتے کرتے تھک کر اپنی ہلکی ہلکی جھنکار پیدا کرنے والی جریب جیب میں ڈال کر کہیں اپنے گانو کا رُخ نہ کر لے، میں جلدی جلدی مگر اپنے نئے جوتے میں دبتی ہوئی ایڑی کی وجہ سے لنگڑاتا ہوا بھاگا۔ گو مایا نے جوتی کو سرسوں کا تیل لگا دیا تھا، تاہم وہ نرم مطلق نہ ہوئی۔

(2)

شام کو جب میں واپس آیا تو میں نے بھولے کو خوشی سے دالان سے صحن میں اور صحن سے دالان میں کودتے پھاندتے دیکھا۔ وہ لکڑی کے ایک ڈنڈے کو گھوڑا بنا کر اسے بھگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

’’چل ماموں جی کے دیس — رے گھوڑے، ماموں جی کے دیس۔
ماموں جی کے دیس، ہاں ہاں! ماموں جی کے دیس۔ گھوڑے......‘‘

جوں ہی میں نے دہلیز میں قدم رکھا، بھولے نے اپنا گانا ختم کر دیا اور بولا:

’’بابا— آج ماموں جان آئیں گے نا—؟‘‘

’’پھر کیا ہوگا بھولے—؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’ماموں جی اگن بوٹ لائیں گے۔ ماموں کلو (کتا) لائیں گے۔ ماموں جی کے سر پر مکی کے بھٹوں کا ڈھیر ہوگا نا بابا— ہمارے یہاں تو مکئی ہوتی ہی نہیں بابا، اور تو اور......ایسی مٹھائی لائیں گے جو آپ نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔‘‘

میں حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ کس خوبی سے ’’خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔‘‘ کے الفاظ سات شہزادوں اور سات شہزادیوں والی کہانی کے بیان میں سے اس نے یاد رکھے تھے۔ ’’جیتا رہے‘‘ میں نے دعا دیتے ہوئے کہا، ’’بہت ذہین لڑکا ہوگا اور ہمارے نام کو روشن کرے گا۔‘‘

شام ہوتے ہی بھولا دروازے میں جا بیٹھا تا کہ ماموں جی کی شکل دیکھتے ہی اندر کی طرف دوڑے اور پہلے پہل اپنی ماتا جی کو اور پھر مجھے اپنے ماموں جی کے آنے کی خبر سنائے۔

دئیوں کو دیا سلائی دکھائی گئی۔ جوں جوں رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جاتا، دئیوں کی روشنی زیادہ ہوتی جاتی۔ متفکرانہ لہجہ میں مایا نے کہا۔

’’بابا جی— بھیا ابھی تک نہیں آئے۔‘‘

’’کسی کام کی وجہ سے ٹھہر گئے ہوں گے۔‘‘

’’ممکن ہے کوئی ضروری کام آپڑا ہو— راکھی کے روپے ڈاک میں بھیج دیں گے۔‘‘

’’مگر راکھی۔‘‘

’’ہاں راکھی کی کہو......انہیں اب تک تو آجانا چاہیے تھا۔‘‘

میں نے بھولے کو زبردستی دروازے کی دہلیز پر سے اٹھایا۔ بھولے نے اپنی ماتا سے بھی زیادہ متفکرانہ لہجہ میں کہا ’’ماتا جی— ماموں جی کیوں نہیں آئے۔‘‘

مایا نے بھولے کو گود میں اٹھاتے ہوئے اور پیار کرتے ہوئے کہا: ’’شاید صبح کو آجائیں— تیرے ماموں جی— میرے بھولے!‘‘

پھر بھولے نے اپنے نرم و نازک بازوؤں کو اپنی ماں کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا:

’’میرے ماموں جی تمہارے کیا ہوتے ہیں؟‘‘

’’جو تم ننھی کے ہو۔‘‘

’’بھائی؟‘‘

’’تم جانو—‘‘

’’اور بنسی (بھولے کا دوست) کے کیا ہوتے ہیں؟‘‘

’’کچھ بھی نہیں—‘‘

’’بھائی بھی نہیں؟‘‘

نہیں—‘‘

—اور بھولا اس عجیب بات کو سوچتا ہوا سو گیا۔ جب میں اپنے بستر پر لیٹا تو پھر وہ مشعل کی مانند چمکتا ہوا ستارہ آسمان کے ایک کونے میں میرے گھورنے کی وجہ سے ماند ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ مجھے پھر بھولے کا چہرہ یاد آ گیا جو میرے خانقاہ والے کنوئیں کو جانے پر تیار ہونے کی وجہ سے یوں ہی ماند پڑ گیا تھا۔ کتنا شوق ہے بھولے کو کہانیاں سننے کا۔ وہ اپنی ماں کو استوتر بھی پڑھنے نہیں دیتا۔ اتنا سا بچہ بھلا گیتا کو کیا سمجھے۔ مگر صرف اس وجہ سے کہ اس کے ادھیائے کا مہاتم ایک دلچسپ کہانی ہوتا ہے، وہ نہایت صبر سے ادھیائے کے ختم ہونے اور مہاتم کے شروع ہونے کا انتظار کیا کرتا ہے۔

’’مایا کا بھائی ابھی تک نہیں آیا۔ شاید نہ آئے۔‘‘ میں نے دل میں کہا: ’’اسے اپنی بہن کا پیار سے جمع کیا ہوا مکھن کھانے کے لیے تو آجانا چاہیے تھا۔‘‘ میں ستاروں کی طرف دیکھتے دیکھتے اونگھنے لگا۔ یکایک مایا کی آواز سے میری نیند کھلی۔

وہ دودھ کا کٹورہ لیے کھڑی تھی۔

’’میں نے کئی بار کہا ہے—— تم میرے لیے اتنی تکلیف نہ کیا کرو۔‘‘ میں نے کہا۔

دودھ پینے کے بعد فرطِ شفقت سے میرے آنسو نکل آئے۔ حد سے زیادہ خوش ہو کر میں مایا کو یہی دعا دے سکتا تھا تا کہ وہ

فرطِ شفقت: بے حد شفقت

سہاگ وتی رہے۔ کچھ ایسا ہی میں نے کہنا چاہا۔ مگر اس خیال کے آنے سے کہ اس کا سہاگ تو برس ہوئے لُٹ گیا تھا، میں نے کچھ نہ کچھ کہنے کی غرض سے اپنی رقّت کو دباتے ہوئے کہا:

''بیٹی تمھیں اس سیوا کا پھل ضرور ملے گا۔''

سہاگ وتی: سہاگن

پھر میرے پہلو میں بچھی ہوئی چارپائی پر سے بھولا ننھی کو جو کہ اس کے ساتھ ہی سو رہی تھی، پرے دھکیلتے ہوئے اور آنکھیں ملتے ہوئے اٹھا۔ اُٹھتے ہی اس نے کہا:

''بابا — ماموں جی ابھی تک کیوں نہیں آئے؟''

''آجائیں گے — بیٹا۔ سوجاؤ، وہ صبح سویرے آجائیں گے۔''

اپنے بیٹے کو اپنے ماموں کے لیے اس قدر بے تاب دیکھ کر مایا بھی کچھ بے تاب سی ہوگئی، عین اُسی طرح جس طرح ایک شمع سے دوسری شمع روشن ہوجاتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بھولے کو لٹا کر تھپکنے لگی۔

مایا کی آنکھوں میں بھی نیند آنے لگی۔ یوں بھی جوانی میں نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور پھر دن بھر کام کاج کر کے تھک جانے کی وجہ سے مایا گہری نیند سوتی تھی۔ میری نیند تو عام بوڑھوں کی سی نیند تھی۔ کبھی ایک آدھ گھنٹہ تک سو لیتا، پھر دو گھنٹہ جاگتا رہتا، پھر کچھ دیر اونگھنے لگ جاتا اور باقی رات اختر شماری کرتے گزار دیتا۔ میں نے مایا کو سوجانے کے لیے کہا اور بھولے کو اپنے پاس لٹا لیا۔

اختر شماری: تارے گننا، جاگنا

بتی جلتی رہنے دو، صرف دھیمی کردو — میلے کی وجہ سے بہت سے چور چکار اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں —'' میں نے سوئی ہوئی مایا سے کہا۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس دفعہ میلے پر جو لوگ آئے تھے ان میں ایسے آدمی بھی تھے جو کہ ننھے ننھے بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے تھے۔ پڑوس کے ایک گانو میں دو ایک ایسی وارداتیں ہوئی تھیں اور اسی لیے میں نے بھولے کو اپنے پاس لٹا لیا تھا۔ میں نے دیکھا بھولا جاگ رہا تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔

واردات: حادثہ، واقعہ

تھوڑی دیر کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں نے بتی کو دیوار پر نہ دیکھا۔ گھبرا کر ہاتھ پسارا تو میں نے دیکھا کہ بھولا بھی بستر پر نہ تھا۔ میں نے اندھوں کی طرح در و دیوار سے ٹکراتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے تمام چارپائیوں پر دیکھا۔ مایا کو بھی جگایا۔ گھر کا کونا کونا چھانا۔ بھولا کہیں نہ تھا —!

''مایا — ہم لُٹ گئے۔'' میں نے اپنا سر پیٹتے ہوئے کہا۔

مایا ماں تھی۔ اس کا کلیجہ جس طرح شق ہوا، یہ کوئی اُسی سے پوچھے۔ اپنے سہاگ لٹنے پر اس نے اتنے بال نہ نوچے تھے جتنے کہ اس وقت نوچے۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا اور وہ دیوانوں کی طرح چیخیں مار رہی تھی۔ پاس پڑوس کی عورتیں شور سن کر جمع ہوگئیں اور بھولے کی گمشدگی کی خبر سن کر رونے پیٹنے لگیں۔

شق ہونا: پھٹ جانا

میں عورتوں سے زیادہ پیٹ رہا تھا۔ آج میں نے ایک بازی گر کو اپنے گھر کے اندر گھورتے بھی دیکھا تھا۔ مگر میں نے پروا نہیں کی تھی۔ آہ! وہ وقت کہاں سے ہاتھ آئے۔ میں نے دعائیں کیں کہ کسی وقت کا دیا کام آجائے۔ منتیں مانیں کہ بھولا مل

جائے۔ وہی اندھیرے گھر کا اُجالا تھا۔ اسی کے دم سے میں اور مایا جیتے تھے۔ اسی کی آس سے ہم اُڑے پھرتے تھے۔ وہی ہماری آنکھوں کی بینائی، وہی ہمارے جسم کی توانائی تھا۔ اس کے بغیر ہم کچھ نہ تھے۔

میں نے گھوم کر دیکھا، مایا بے ہوش ہوگئی تھی۔ اس کے ہاتھ اندر کی طرف مڑ گئے تھے نسیں کھچی ہوئی اور آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور عورتیں اس کی ناک بند کر کے ایک چمچے سے اس کے دانت کھولنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میں سچ کہتا ہوں، ایک لمحہ کے لیے میں بھولے کو بھی بھول گیا۔ میرے پانو تلے کی زمین نکل گئی۔ ایک ساتھ گھر کے دو بشر جب دیکھتے دیکھتے ہاتھوں سے چلے جائیں تو اس وقت دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ میں نے لرزتے ہوئے ایشور کو بُرا بھلا کہا کہ ان دُکھوں کے دیکھنے سے پیشتر اس نے میری جان کیوں نے لے لی۔ آہ! مگر جس کی قضا آتی ہے اس کے سوا کسی اور کا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔

بال بیکا نہ ہونا: کوئی نقصان نہ ہونا

قریب تھا کہ میں بھی مایا کی طرح گر پڑوں کہ مایا ہوش میں آ گئی۔ مجھے پہلے سے کچھ سہارا ملا۔ میں نے دل میں کہا: میں ہی مایا کو سہارا دے سکتا ہوں اور اگر میں خود اس طرح حوصلہ چھوڑ دوں تو مایا کسی طرح نہیں بچ سکتی۔ میں نے حواس جمع کرتے ہوئے کہا:

"مایا بیٹی — دیکھو! مجھے یوں خانہ خراب مت کرو — حوصلہ کرو۔ بچے اغوا ہوتے ہیں، مگر آخر مل بھی جاتے ہیں۔ بازی گر بچوں کو مارنے کے لیے نہیں لے جاتے، پال کر بڑا کر کے کسی کام میں لانے کے لیے لے جاتے ہیں — بھولا مل جائے گا۔"

اغوا: اٹھا کر لے جانا

ماں کے لیے یہ الفاظ بے معنی تھے۔ مجھے بھی اپنے اس طرح صبر کرنے پر گمان ہوا، گویا میں اس وجہ سے چُپ ہو گیا ہوں کہ مجھے مایا کے مقابلہ میں بھولے سے بہت کم پیار ہے۔ مگر "نہیں" — میں نے کہا: "آدمی کو ضرور کچھ حوصلہ دکھانا چاہیے۔

اس وقت آدھی رات ادھر تھی اور آدھی اُدھر، جب ہمارا پڑوسی اس حادثے کی خبر تھانے میں پہنچانے کے لیے، جو گاؤں سے دس کوس دور شہر میں تھا، روانہ ہوا۔

باقی ہم سب ہاتھ ملتے ہوئے صبح کا انتظار کرنے لگے تا کہ دن نکلنے پر کچھ سجھائی دے۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ہم نے بھولے کے ماموں کو اندر آتے دیکھا۔ اس کی گود میں بھولا تھا۔ اس کے سر پر مٹھائی کی ٹوکریاں اور ایک ہاتھ میں بتّی تھی۔ ہمیں تو گویا دنیا کی دولت مل گئی۔ مایا نے بھائی کو پانی پوچھا نہ خیریت اور اس کی گود سے بھولے کو چھین کر اسے چومنے لگی۔ تمام اڑوس پڑوس نے مبارکباد دی۔ بھولے کے ماموں نے کہا:

"مجھے کسی کام کی وجہ سے دیر ہوگئی تھی۔ دیر سے روانہ ہونے پر شب کی تاریکی میں راستہ بھٹک گیا۔ یکا یک مجھے ایک جانب سے روشنی آتی دکھائی دی۔ میں اس کی جانب بڑھا۔ اس خوف ناک تاریکی میں پرس پور سے آنے والی سڑک پر بھولے کو بتّی پکڑے ہوئے اور کانٹوں میں اُلجھے ہوئے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ میں نے اس کے اس وقت وہاں ہونے کا سبب پوچھا

ششدر: حیران

تو اس نے جواب دیا— کہ بابا جی نے آج دوپہر کے وقت مجھے کہانی سنائی تھی اور کہا تھا کہ دن کے وقت کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ تم دیر تک نہ آئے تو میں نے یہی جانا کہ تم راستہ بھول گئے ہوگے اور بابا نے کہا تھا کہ اگر کوئی مسافر راستہ بھول گیا تو تم ذمہ دار ہوگے نا۔—!!''

5.2 متن کی تشریح

(1)

میں نے مایا کو۔۔۔۔۔وہ نرم مطلق نہ ہوتی

افسانے کے پہلے حصے میں مصنف نے بتایا ہے کہ مایا ایک بیوہ عورت ہے، جو اپنے بچے بھولا اور سسر کے ساتھ رہتی ہے۔ مایا اپنے سسر کا بہت خیال رکھتی ہے۔ سسر بھی اپنی بہو مایا کو بہت چاہتے ہیں۔ اور اسے خوش رنگ کپڑے پہنتے، ہنستے، مسکراتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر مایا سماج سے بہت ڈرتی ہے۔ اس لیے اپنے سسر کی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتی۔ ہمارے سماج میں بیواؤں کا خوش رہنا، رنگین کپڑے پہننا، چوڑیاں پہننا اور لڑکی کی شادی میں شریک ہونا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ کیا آپ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں؟ یقیناً آپ کا جواب ہوگا 'نہیں'۔ بیواؤں کو رنگین کپڑے پہننے، ہنسنے مسکرانے اور خوش رہنے پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ آپ خود سوچیے کیا کوئی عورت اپنی مرضی سے بیوہ ہوتی ہے؟ اور کیا بیوہ ہو جانے کے بعد عورتوں کے شوق، ارمان اور خواہشات بھی مر جاتے ہیں؟ کیا اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا؟ یہ سب غلط قسم کی باتیں ہیں جو تعلیم کی کمی کی وجہ سے ہمارے سماج میں رائج ہیں۔ اسی لیے مایا سماج سے ڈرتی تھی اور خاموش رہتی تھی۔ بھولا، مایا کا بہت معصوم اور پیارا بچہ ہے۔ وہ اپنی ماں اور دادا سے بہت پیار کرتا ہے۔ اسے کہانیاں سننے کا بہت شوق ہے۔ ایک دن وہ اپنے دادا سے دوپہر میں کہانی سنانے کی فرمائش کرتا ہے۔ تو دادا اس سے کہتے ہیں۔ دن میں کہانی سننے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہوئے کہانی سنانا شروع کر دیتے ہیں کہ ''اب کوئی مسافر راستہ کھو بیٹھے تو اس کے ذمہ دار تم ہوگے۔'' بھولا کہانی سن تو لیتا ہے مگر اس کے چہرے پر خوشی کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ کیوں کہ اب اس کے دل میں یہ وہم سما جاتا ہے کہ میرے ماموں آنے والے ہیں کہیں وہ راستہ نہ بھول جائیں۔

افسانے کے اس حصے میں دراصل بچے کے کردار کو جس کا نام بھولا ہے کی نفسیات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بھولا کی ماں بیوہ ہے۔ بھولا باپ کا پیار دادا سے پاتا ہے۔ بچے کی نفسیات میں کہانی سننا ایک اہم نفسیاتی تقاضہ ہے بچے کہانیوں کے کردار کو اپنا آئیڈیل تو بناتے ہی ہیں بلکہ اس کہانی کے بعض فقروں اور زبان کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ دادا نے پوتے کو اس کی ضد پر دن میں کہانی تو سنائی مگر اسے یہ کہتے ہوئے کہانی سنائی کہ دن میں کہانی سننے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں اور اس کے ذمہ دار تم ہوگے اس لیے کہانی سن کر وہ پہلے کی طرح خوش نہیں ہو پاتا۔

5.3 زبان کے بارے میں

1. راجندر سنگھ بیدی نے اس افسانے میں ہندو سماج میں مستعمل روزمرہ کے ان الفاظ جن کا تعلق مذہبی امور سے ہے کا استعمال کیا ہے مثلاً راکھی۔ استوتر، پانو، ہری ہر ہری ہر ہری، مہاتم

2. راجندر سنگھ بیدی اکثر خوبصورت تشبیہوں کے استعمال سے افسانے کے ماحول اور کردار کو آئینہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً بھولا جو اس افسانے کا اہم کردار ہے کے بھولے پن اور اس کے نرم نرم ہاتھ اور سریلی آوازوں کو مندرجہ ذیل تشبیہہ سے اچھی طرح اجالتے ہیں مثلاً

’’بھولے کا جسم بہت نرم و نازک تھا اور اس کی آواز بہت سریلی تھی، جیسے کنول کی پتیوں کی نزاکت اور سپیدی، گلاب کی سرخی اور بلبل کی خوش الحانی کو اکٹھا کر دیا گیا ہو۔

5.1 متن پر سوالات

درست جواب پر ( ) کا نشان لگایئے۔

1. مایا رنگین کپڑے کیوں نہیں پہنتی تھی؟
   (الف) وہ سماج سے ڈرتی تھی۔
   (ب) وہ اپنے سسر سے ڈرتی تھی۔
   (ج) وہ بھولا سے ڈرتی تھی۔
   (د) کیونکہ وہ ایک بیوہ عورت تھی۔

2. کہانی سننے کے بعد بھولا خوش کیوں نہ ہوا؟
   (الف) کہانی اچھی نہیں تھی؟
   (ب) بھولا کے دل میں ماموں کے راستہ بھول جانے کا وہم سما گیا تھا۔
   (ج) دادا نے آدھی ہی کہانی سنائی تھی۔

3. مندرجہ ذیل مکالمے بولنے والے کا نام، مکالمے کے سامنے لکھ دیجیے۔
   (الف) اسی طرح تیرے ماموں جی بھی میرے بھائی ہیں۔
   (ب) بابا جی! آج آپ کہانی نہیں سنائیں گے کیا؟
   (ج) ’’اب کوئی مسافر راستہ کھو بیٹھے — تو اس کے ذمے دار تم ہو۔‘‘

5.4 متن کی تشریح

(2)

شام کو جب میں واپس......................بھول گیا تو تم ذمہ دار ہو گے نا

یہ کہانی کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں افسانہ نگار نے بتایا ہے کہ اداد جی بھولا کو کہانی سنا کر جلدی سے اپنے نئے جوتے میں دبتی ہوئی ایڑی کی وجہ سے لنگڑاتے ہوئے پٹواری کے پاس گئے۔ پٹواری اس آدمی کو کہتے ہیں جو گاؤں کی زمینوں کے مالکانہ حقوق اور پیمائش کا ریکارڈ رکھتا ہے۔ دادا جی اپنی زمینوں کی پیمائش کروا کے جب گھر واپس آتے ہیں تو بھولا انہیں کھیلتا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر کھیلتے ہوئے بھی دراصل اپنے ماموں کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً وہ دادا اسے کہتا ہے۔ ’’ماموں جی ایسی مٹھائی لائیں گے جو آپ نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔‘‘ مایا بھی دن ہی سے بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر رات ہو جانے پر بھی جب بھائی گھر نہیں پہنچا تو اس نے سسر سے کہا: ’’بابا جی! بھیا ابھی تک نہیں آئے۔‘‘ سسر اسے تسلی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری راکھی کے پیسے ڈاک سے بھیج دیں گے۔ مایا یہ سن کر خاموش ہو جاتی ہے اور سب کے کھانے کا انتظام کرتی ہے۔ جب سب لوگ لیٹ جاتے ہیں، اور مایا چراغ بجھانے کے لیے ہاتھ بڑھاتی ہے، تو اس کے سسر یہ کہہ کر اسے چراغ بجھانے سے روک دیتے ہیں کہ آج کل بہت سے ایسے لوگ آس پاس گھوم رہے ہیں جو بچوں کو اٹھا لے جاتے ہیں۔ اس لیے دیا جلتا رہنے دو۔

1. کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دادا جی کے جوتوں سے ان کے پاؤں میں کیوں تکلیف ہو رہی تھی؟ اپنا جواب یہاں لکھیے۔

....

....

آپ نے ٹھیک لکھا۔ دادا جی کے پیروں میں اس لیے تکلیف ہو رہی تھی کہ ان کے جوتے نئے تو تھے، مگر تھوڑے سے چھوٹے تھے، جس کی وجہ سے ان کا پاؤں اس میں دبتا تھا۔ مایا نے جوتوں میں سرسوں کا تیل لگا دیا تھا۔ مگر جوتے اس سے بھی نرم نہیں ہوئے تھے۔

2. کیا آپ سمجھ گئے کہ بابا جی نے مایا کو دیا بجھانے سے کیوں منع کر دیا؟ اپنا جواب یہاں لکھیے۔

....

....

آپ نے ٹھیک لکھا۔ گانو میں میلا لگا ہوا تھا۔ اور بابا جی کو اندیشہ تھا کہ گاؤں میں باہر کے لوگ آئے ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ چور اُچکّے بھی ہو سکتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات کو کوئی بھولا کو غائب کر دے۔ اسی لیے انہوں نے مایا کو بتّی بند کرنے سے روک دیا۔

رات کے کسی حصے میں مایا بابا جی کی آواز سُن کر جاگ اٹھتی ہے ’’مایا— ہم لُٹ گئے۔‘‘ اور جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ بھولا گھر میں نہیں ہے۔ تو وہ دیوانوں کی طرح چیخیں مارنے اور بال نوچنے لگتی ہے۔ اور تھوڑی دیر میں بے ہوش ہو جاتی ہے۔ بابا جی کچھ تو بھولا کی وجہ سے پریشان تھے۔ اب مایا کی یہ حالت دیکھ کر اور پریشان ہو گئے۔ اور زندگی

میں پہلی بار انہوں نے ایشور کو بُرا بھلا کہا۔ جب انسان چاروں طرف سے پریشانیوں سے گھر جاتا ہے تو ایشور یا اللہ سے شکایت بھی کرنے لگتا ہے۔ بابا جی پہلے اپنے جوان بیٹے سے ہاتھ دھو چکے تھے۔ اب ان کا چہیتا پوتا گھر سے غائب ہو گیا تھا۔ اِدھر بہو بے ہوش پڑی تھی۔ ظاہر ہے بابا جی کے اوسان کس طرح بحال رہ سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ایشور کو بُرا بھلا کہا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ بھی بے ہوش ہو جائیں، مایا کو ہوش آ گیا۔ تب بابا جی کو کچھ اطمینان ہوا۔ اور انہوں نے آدھی رات کو ایک آدمی تھانے بھیجا۔ جو گاؤں سے دس میل دور تھا۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اچانک دروازہ کھُلا اور بھولا کو گود میں لیے ہوئے ماموں گھر میں داخل ہوئے۔ بھولا ہاتھ میں چراغ لیے ہوئے تھا۔ بعد میں ماموں جی نے بتایا کہ وہ اندھیرے میں سچ مُچ راستہ بھول گئے تھے۔ مگر بھولا کے چراغ نے انہیں راستہ دکھایا اور وہ گھر تک پہنچے۔ جب انہوں نے بھولا سے پوچھا کہ اتنی رات کو وہ راستے میں کیا کر رہا تھا۔ تو اس نے بتایا کہ آج اس نے دادا سے دن میں کہانی سُن لی تھی۔ کہانی سناتے ہوئے دادا نے کہا تھا کہ دن میں کہانی سننے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ جب آپ کو آنے میں دیر ہوئی تو میں ڈر گیا کہ میرے کہانی سُننے کی وجہ سے آپ راستہ بھول گئے۔ اسی لیے چراغ لے کر یہاں چلا آیا۔

3. کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آدھی رات کے وقت بھولا کہاں چلا گیا تھا؟ اپنا جواب یہاں لکھیے۔

....

....

....

آپ نے ٹھیک لکھا۔ بھولا نے دن میں کہانی سنی۔ اسی لیے اس کے دل میں یہ وہم سما گیا تھا کہ میرے ماموں بھی راستہ بھول گئے ہیں۔ اور اس کا ذمہ دار میں ہوں۔ اسی لیے وہ کسی ڈر اور خوف کے بغیر آدھی رات کو چراغ لے کر ماموں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

آپ نے دیکھا کہ بابا جی نے کس طرح انجانے میں معصوم بھولا کے دل میں ایک وہم، ایک بے بنیاد خیال بٹھا دیا جس کی وجہ سے بھولا کو کتنی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ اسی طرح کے اور بہت سے توہمات ہیں جو ہمارے سماج میں مانے جاتے ہیں۔ مثلاً باہر جانے سے پہلے چھینک آ جائے تو باہر نہیں جانا چاہیے یا اگر بلّی راستہ کاٹ جائے تو ہم جس کام کو کرنے کے لیے جا رہے ہیں اس میں کامیابی نہیں ہوگی۔ یا سونے کا کھو جانا اچھا نہیں ہوتا۔ یا اگر دوا کی شیشی ٹوٹ جائے تو مریض ٹھیک ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ باتیں غلط ہیں۔ ہمیں اپنے ذہن میں ان باتوں کو جگہ نہیں دینی چاہیے۔ یہ باتیں بھی ہماری ترقی کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔

5.5 زبان کے بارے میں

راجندر سنگھ بیدی کا بیانیہ بہت جاندار ہوتا ہے۔ بیان اور بیانیہ میں باریک سا فرق ہے۔ ''بیان'' میں ہم کسی بھی شے کو جوں کا توں بیان کر دیتے ہیں لیکن بیانیے میں ہم منطق کا سہارا لے کر واقعات کو پُر تاثیر اور قابل قبول بناتے ہیں بھولا کے مکالمے میں اور اس کی حرکات و سکنات کے بیان کے لیے راجندر سنگھ بیدی نے سوچ سمجھ کر لفظوں کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً ماموں جی کے بارے میں بھولا قیاس آرائیاں کرتا ہے کہ ماموجی اگن بوٹ لائیں گے۔ کلو (کتا) لائیں گے وغیرہ۔

متن پر سوالات 5.2

درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

1. باباجی لنگڑاتے ہوئے کیوں چل رہے تھے؟
   - (الف) ان کے پاؤں میں تکلیف تھی۔
   - (ب) داداجی بیمار تھے۔
   - (ج) ان کے جوتے چھوٹے تھے اور ان کی ایڑی کو دبا رہے تھے۔
2. باباجی نے کیوں کہا ''بتّی جلتی رہنے دو۔ صرف دھیمی کر دو۔''
   - (الف) انہیں چوروں کا خطرہ تھا۔
   - (ب) انہیں اندھیرے سے ڈر لگتا تھا۔
   - (ج) بھولا اندھیرے میں ڈر کر جاگ جاتا تھا۔
3. بھولا کے گھر سے غائب ہو جانے پر مایا کا کیا حال ہوا؟
   - (الف) مایا چیخنے اور بال نوچنے لگی۔
   - (ب) مایا گم سُم ہو گئی۔
   - (ج) مایا گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔
4. بھولا آدھی رات کے وقت گھر سے نکل گیا تھا کیوں کہ......
   - (الف) وہ اپنے ماموں سے سب سے پہلے ملنا چاہتا تھا۔
   - (ب) وہ ماموں جی کو حیران کر دینا چاہتا تھا۔
   - (ج) اس کے دل میں یہ وہم سما گیا تھا کہ اگر ماموں راستہ بھول گئے تو میں ذمہ دار ہوں گا۔
5. مندرجہ ذیل مکالموں کے سامنے ان کے کرداروں کے نام لکھیے۔
   - (الف) ''ایسی مٹھائی لائیں گے کہ آپ نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔''

(ب) ''بابا جی! بھیا ابھی تک نہیں آئے۔''

(ج) 'مایا ـــــ ہم لٹ گئے۔''

6. افسانے میں کس قسم کے توہم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا نام کیا ہے۔

(الف) گھر کا بھیدی

(ب) اگن بوٹ

(ج) دن میں کہانی سننے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔

5.6 اسلوب بیان

کوئی کہانی یا افسانہ کتنا پُر اثر ہے یہ اس کے اسلوب بیان پر منحصر ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کی زبان سادہ اور روزمرہ کی زبان ہے۔ اسی لیے دل و دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ اس افسانے کی زبان اس کے کرداروں کے رہن سہن اور ان کے ماحول کے عین مطابق ہے۔ بھولا کے گھر سے غائب ہو جانے اور مایا کی حالت خراب ہونے پر بابا جی کا ایشور کو بُرا بھلا کہنا ایک نفسیاتی عمل ہے۔ اس افسانے میں بول چال کی زبان میں کرداروں کے خیالات اور جذبات کو پڑھنے والے تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی لیے افسانہ پڑھنے والے کے دل کو موہ لیتا ہے۔

آپ نے کیا سیکھا

☆ افسانے کی زبان سادہ، آسان اور بول چال کی زبان ہے۔

☆ تمام کردار پلاٹ کے عین مطابق ہیں۔

☆ کرداروں کی زبان اور خیالات ان کی عمر اور ان کے حالات کے مطابق ہیں۔

☆ بیدی زندگی چھوٹی بڑی سچائیوں کو افسانہ کی شکل میں ڈھال دیتے ہیں۔

☆ بچوں کے سوالات کے غلط جوابات نہیں دینے چاہئیں۔

☆ ضعیف الاعتقادی یعنی ایمان اور یقین کی کمزوری ایسی باتیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو اور جن کے بارے میں یہ گمان ہو کہ ان کے کرنے سے ایسا ہوگا جیسے ''دن کو کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں'' اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ دن میں ہزاروں کہانیاں سنائی جاتی ہیں اور کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوتا۔ اگر کبھی کوئی حادثہ ہو بھی جاتا ہے تو اس کو ان باتوں سے نہیں جوڑنا چاہیے۔ ہمارے سماج میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے بہت سے توہمات اور غلط باتیں رائج ہیں۔ ہمیں خود بھی ان سے بچنا چاہیے اور دوسروں کو بچانا چاہیے۔

☆ بیواؤں کا خوش رہنا، رنگین کپڑے پہننا یا دوسری شادی کرنا بُری بات نہیں ہے۔

5.10 اختتامی سوالات

1. 'وہم' کسے کہتے ہیں؟
2. ماموں نے گھر میں آ کر کیا کہانی سنائی؟
3. باباجی آسمان میں ایک روشن تارے کو ٹکٹکی لگا کر کیوں دیکھتے رہتے تھے؟
4. بابا نے بھولا کی کس بات سے اندازہ لگایا کہ وہ بہت ذہین لڑکا ہے؟
5. افسانے کے اجزائے ترکیبی لکھیے۔

5.7 مزید مطالعہ

راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں کے کسی ایک مجموعے کے افسانے پڑھیے۔

متن پر سوالات کے جوابات

5.1
1. الف
2. ب
3. مایا
4. بھولا
5. باباجی

5.2
1. ج
2. الف
3. الف
4. ج
5. بھولا
6. مایا
7. باباجی

5.3
1. ج
2. ب